سوفسطائیوں سے دو دو باتیں

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ مدظلہ، علی گڑھ

(قسط دوم)

(۷) پھر یہ مستقل نظام کیسا؟

پہلے بیان کیا گیا کہ قدیم یونان کے سوفسطائی مفکر پائی تھا گورس (Pythagoras) کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک فقرہ نقل کیا گیا ہے جسے سوفسطائیوں کے نظریات کا نچوڑ سمجھنا چاہیے۔ وہ فقرہ یہ ہے "ہر چیز کی واقعیت اور حقیقت کا معیار خود انسان ہے"۔

اس فقرے کا صاف اور واضح نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی کی ذہنی کارگزاری سے الگ کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ ساری کائنات ذہن انسانی کی ساختہ پرداختہ اور اس کی تابعدار ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ایک مستقل اور پائیدار نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔ انسان اس کا پابند ہے۔ وہ ہرگز انسان کا پابند نہیں ہے۔ دوسروں کا کیا ذکر، خود سوفسطائی مفکرین بھی اسی مستقل اور ہمہ گیر نظام علت و معلول میں بندھے ہوئے ہیں۔

آپ کو کوئی صحیح الدماغ شخص ایسا نہیں ملے گا، خواہ وہ سوفسطائی ہو، جو اپنی بھوک کھانے کے بجائے سو کر دور کرے۔ جو بات کرنے کے موقع پر زبان کے بجائے کانوں سے کام لے۔ عام غذاؤں کے بجائے زہر کھائے اور وہ اس پر کچھ اثر نہ کرے، جو دہن اور نتھنوں کے بجائے آنکھوں اور کانوں سے سانس لے، منہ دھونے کے واسطے لوٹا ہاتھ سے نہیں ٹھڈی یا کانوں کی لوؤں سے اٹھانے کی کوشش کرے۔

کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ جب کھڑکی کے شیشہ سے کس کر لکھوری اینٹ ٹکرائے تو وہ اسے چکنا چور کرنے کے بجائے لکڑی کا تختہ بنا دے یا کوئی شیشہ بغیر کسی ٹکراؤ، بغیر غیر معمولی گرمی کے خود بخود ٹوٹ جائے؟

یہ کائنات کا ہمہ گیر، عمومی نظام علت و معلول، یہ ان کے حیرت انگیز اسرار و رموز جن پر مستقل، پائیدار دائمی اصول و قوانین کی حکومت ہے ہرگز انسان کی ذہنی طاقت کے مخلوق اور تابع فرمان نہیں ہو سکتے۔ پھر سوفسطائیوں کا یہ کلیہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ "ہر چیز کی واقعیت اور حقیقت کا معیار خود انسان ہے۔"

(۸) خود اپنے متعلق کیا رائے ہے؟

ممکن ہے کہ سوفسطائی مفکرین ان چیزوں کو وہمی، خیالی، مجازی، بے حقیقت، واقعیت سے خالی قرار دے دیں جنہیں ہمارے جیسے ظاہر بین عوام الناس حقیقی اور واقعی موجودات سمجھتے ہیں۔ زمین و آسمان خیالی، سورج اور چاند خیالی، درخت اور پودے خیالی، پہاڑ اور ٹیلے خیالی، آگ اور پانی خیالی، سب خیالی، سب فرضی، سب وہمی، سب مجازی، ان کا خود اپنے متعلق کیا خیال ہے؟ ان کا وجود بھی آئینے کے عکس اور کسی چیز کے سائے کے مانند ہے یا حقیقی اور واقعی ہے؟ اگر سوفسطائیوں کا وجود آئینے کے عکس کے مانند مجازی ہوتا تو ان میں نہ قوت واہمہ ہوتی اور نہ قوت فیصلہ۔ جس طرح آئینے میں جو پانی کا جوش مارتا ہوا چشمہ نظر آتا ہے وہ نہ پیاسوں کی پیاس بجھاتا، نہ دھوبی کی لادی دھوتا، نہ گرمی کے موسم میں نہانے کے کام آتا، نہ اس کے پاس بیٹھنے سے ٹھنڈک محسوس ہوتی، نہ اس میں حسین و خوبصورت مچھلیاں پالی جا سکتی ہیں۔ کوئی چیز ذہن کی چار دیواری سے باہر واقعیت اور حقیقت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو لیکن سوفسطائی مفکرین کو خود اپنے متعلق ماننا پڑے گا کہ وہ حقیقی موجود ہیں، اسی لئے

انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وجود بس وجود ذہنی ہے، اس کے علاوہ یقیناً کسی طرح کا وجود نہیں ہے یا کم از کم وہ مشتبہ اور مشکوک ہے۔

(۹) غلط فہمی کا سر چشمہ کیا ہے؟

سوفسطائیوں نے جب باریک بینی سے کام لیا تو وہ اس نتیجہ تک پہونچے کہ صورت حال یہ ہے کہ انسان نے بخیال خود بیرونی دنیا کے موجودات تک پہنچنے کے جو راستے فرض کیے ہیں وہ اسے ان تک تو نہیں پہنچاتے، البتہ کچھ تصورات اور خیالات تک ضرور پہنچا دیتے ہیں۔ بیرونی دنیا کے یہ موجودات ہرگز ہرگز بنفس نفیس ہمارے ذہنوں کی چار دیواری میں قدم رنجہ نہیں فرماتے ہیں۔ ہمیشہ ہمارا سروکار کچھ ذہنی تصویروں سے رہا کرتا ہے، مثلاً انسان احساس اور مشاہدے کے سہارے چاہتا ہے کہ عالم بالا اور آسمانی کروں کے خصوصیات کا پتہ چلائے۔ وہ تجربات اور آزمائشوں کے ذریعہ چاہتا ہے کہ کسی نیچرل، ہمہ گیر اور عمومی اصول کا انکشاف کرے۔ یونہی وہ کبھی یہ آرزو کرتا ہے کہ عقلی دلیل و برہان کا سہارا لے کر کسی حقیقت کا وجود ثابت کرے۔ منصفانہ طور پر سوچئے کہ ایک مدت خوردبینیں استعمال کر لینے کے بعد یا تجربہ گاہوں میں ایک عرصہ تک آزمائشیں کرنے کے بعد یا سالہا سال کم و بیش قوت استدلال او عقلی طاقت سے کام لینے کے بعد آخر کار کیا اس کے سوا کوئی نتیجہ نکلا کہ انسان کے حافظے کے البم میں کچھ ذہنی تصویریں اور کچھ افکار و نظریات اکٹھا ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ یہ راستے کہ جنھیں انسان اپنے ذہن کی چہار دیواری سے باہر موجودات تک پہنچنے کی اطمینان بخش راہیں سمجھتا ہے وہ فقط اسے کچھ تصورات تک پہنچا دیتی ہیں۔ بیرونی دنیا کے موجودات تک رسائی نہیں ہوتی، وہ خود کبھی ہمارے دماغوں میں تشریف نہیں لاتے ہیں۔ ہاں ہم کو اس بات کا اقرار ہے کہ ان تصورات کا کوئی سبب ضرور ہونا چاہیے، وہ سبب خود انسان کا ذہن بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی دوسرا روحانی امر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تقریباً ایسا ہی ہے کہ کوئی ہمارا دوست ہمارے ہاتھ میں کچھ طرح طرح کی تصویریں اور سینریاں تھما کر کہیں چلا جائے۔ یہاں پر کیا ہمیں یہ سمجھنے کا حق ہے کہ یہ سینریاں کچھ بیرونی دلکش مناظر کو سامنے رکھتے ہوئے بنائی گئی ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس پورے روئے زمین پر کسی خطے میں یہ منظر موجود نہ ہو؟ یہ سینریاں سب کی سب کسی زبردست اور ماہر آرٹسٹ کی تخلیق ہوں؟ اس کی صناعی جدت طرازی کا نتیجہ ہوں؟

ہمارے سوفسطائی مفکرین نے رواروی میں مذکورۂ بالا خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بہت سی حقیقتوں کی موجودگی کا غیر اختیاری طور پر اقرار کر لیا ہے، کوئی متکلم ہے، کوئی مخاطب ہے، خود کلام ہے، اس کی اپنے معنی کی طرف راہنمائی ہے، ارادہ ہے، تاثیر ہے، تاثر ہے، ذہن ہے۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ سوفسطائیوں نے انسان کے ذہن کے حدود سے باہر کسی چیز کے وجود کا انکار یا اس کے مشکوک ہونے کا اظہار محض اس لیے کیا ہے کہ اگر واقعاً کوئی ذہن کی چار دیواری سے باہر ہے تو اُس کے معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود ہماری گرفت میں آجائے۔ حالانکہ کوئی چیز خود کسی کے ہاتھ نہیں لگتی، ہمیں علم دستیاب ہوا کرتا ہے نہ کہ معلوم کہ جس سے ہمارے علم کا تعلق ہوتا ہے۔

اس غلط فہمی کے برطرف ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی چیز کے علم کی تمام خصوصیتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان کا یہ خیال بالکل بجا اور درست کہ اپنے دماغوں کی چار دیواری سے باہر کی چیزوں کی تصویریں ہمیشہ ذہنوں میں آتی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ تصویر اپنے تمام خصوصیات سمیت حدود ذہن میں قدم رکھتی ہے، اس کی خاصیت ان بیرونی چیزوں کی آئینہ داری ہے، ان کا انکشاف کرنا ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ علم ہو اور وہ صفت کا شفیت سے متصف نہ ہو بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بیرونی چیز کا علم ہو بہو یہی اس کا واضح اور نمایاں کرنا ہے۔ علم بعینہ کاشفیت اور کاشفیت بعینہ علم ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ علم و کشف ہو اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو معلوم اور مکشوف ہو۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسی چیز ذہن کی چار دیواری

سے باہر موجود نہیں ہے جو معلوم اور مکشوف ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کاشفیت کا وجود نہیں ہے، اگر صفت کاشفیت نہیں ہے تو پھر علم بھی نہیں ہے۔ حالانکہ سوفسطائی یہ مانتے ہیں کہ علم موجود ہے، بیرونی دنیا کے ذہنی تصویروں کے وہ قائل ہیں۔ وجود ذہنی کے علاوہ کسی ایسے وجود کے وہ قائل نہیں ہیں جو حدود ذہن سے باہر ہو۔

(۱۰) دو طرح کی نفسانی حالتیں

انسان دو قسم کی نفسانی حالتوں کا مالک ہے۔ وہ بدیہی طور پر ان دونوں حالتوں کے درمیان جدائی اور امتیاز پاتا ہے، مثلاً خوشی چونچالی، رنج، کبیدہ خاطری، یہ ایسی نفسانی حالتیں ہیں جو کسی چیز کی تصویر کشی نہیں کرتی ہیں، کوئی ایسی بیرونی شے نہیں ہے جس کی وہ آئینہ داری کریں۔ اگر چہ ایسا نہیں ہے کہ ان حالات کی پیدائش کے کچھ ایسے اسباب نہ ہوں جن کا وجود ہمارے ذہنوں کی چار دیواری سے باہر ہو۔ یقیناً یہ حالات ان بیرونی اسباب کے طفیل میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا وجود ان کی نگاہ کرم کا نتیجہ ہے۔ نفسانی حالات کی دوسری قسم کے دائرے میں ہمارے علوم اور تصورات داخل ہیں۔ یہ ایسے ماحول کی آئینہ داری کرتے ہیں جو ہمارے ذہنوں کے حدود سے باہر ہے۔ یہ ہمارے دماغ کے صفحہ پر بیرونی چیزوں کی تصویر چھاپتے ہیں۔ ان کا ہمارے لیے انکشاف کرتے ہیں۔ یہ علوم و تصورات کی ایک ایسی صفت ہے جن کی ذات بذات خود ہمارے ذہنوں میں تشریف لانے کی زحمت گوارا کرے گی۔ اُن پر ہمارے احاطہ پیدا کرنے کی بس یہی صورت ہے کہ ہم ان کا تصور کریں۔ البتہ یہ تصور اور علم بیرونی دنیا کے موجودات سے ہمارے ذہنوں کے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ چونکہ اس تصور و علم میں حقیقت نمائی کی صفت ہے اس لیے وہ بیرونی دنیا کے موجودات پر ہمیں محیط بنا دیتا ہے۔

اسپینسر کی خام خیالی

بعض مغربی فلاسفہ مثلاً اسپینسر (Spencer) نے کہا ہے کہ انسان کے پاس سوچنے کا ذریعہ صرف اس کے حاسے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی فہم و ادراک کے وسیلے کا مالک نہیں ہے، لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ حواس حقیقتوں کے آئینہ دار نہیں ہو سکتے۔ بے شک جب بیرونی دنیا کے موجودات اور ہمارے احساس کی طاقتوں کے درمیان ارتباط قائم ہوتا ہے، جب ہماری آنکھ کسی منظر سے، ہمارا کان کسی آواز سے ٹکراتا ہے تو اس کا فوٹو ہمارے ذہن کے صفحے پر چھپ جاتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں جوں کی توں حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا۔ یہ ہمارے حواس حقیقت نمائی کی صفت سے محروم ہیں، اس لحاظ سے ان کی کوئی قیمت اور وقعت نہیں ہے، اسی لیے خالص فکری اور نظری علوم کے سلسلے میں ان کے پڑھنے اور ان پر ریسرچ کرنے میں وقت صرف کرنا فضول اور بے فائدہ کام ہے لیکن عملی حیثیت سے ان تصویروں کی ضرور قیمت ہے۔ جو حواس کے راستے سے ہمارے ذہنوں تک پہنچتی ہیں۔ ان فلاسفہ کے نزدیک ایسے علوم مفید اور قیمتی ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح عمل سے تعلق ہے جیسے طب، فزکس، اور کمیسٹری وغیرہ۔

اسپینسر کی پہلی چوک یہ ہے کہ انھوں نے سوچنے اور سمجھنے کی طاقت کو صرف حواس میں محدود قرار دیا ہے۔ آیندہ ممکن ہے کہ مختصر یا تفصیلی بحث اس کے متعلق آجائے کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ انسان کے پاس اس کے علاوہ عقل کی قوت موجود ہے۔ جس کی مدد سے وہ ہمہ گیر اور عمومی، وسیع اصول اور قوانین بنا سکتا ہے۔ فی الحال ہمیں صرف اس تفریق اور حد فاصل کی بابت کچھ عرض کرنا ہے جو اسپینسر اور ان کے ہم خیالوں نے علم و عمل کے درمیان قرار دی ہے۔ اس سے ہمارا مقصد وہی ہے جو اس گروہ کے نظریہ کی وضاحت کرنے کے سلسلے میں عرض کیا جا چکا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صفحۂ ذہن پر چھپی ہوئی تصویریں چونکہ حقیقت نما نہیں ہیں، لہٰذا خالص نظری اور فکری علوم بے قیمت ہیں، بے شک وہ علوم مفید اور قیمتی ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح ہمارے عمل سے تعلق ہے اس کی مثال میں اسپینسر نے تین علموں کے نام لیے ہیں، طب، فزکس، کیمسٹری۔

اسپینسر اور ان کے ہم مسلک بزرگوں کی خدمت

میں ہماری عرض ہے کہ یہ تفریق ہماری سمجھ میں نہیں آئی جو خالص فکری علوم اور عملی علوم کے درمیان قرار دی ہے۔ ہمیں ان سے مندرجۂ ذیل باتیں کہنا ہیں۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ ایسے علوم کی تعداد کم ہے جن میں اول سے آخر تک مقصود صرف حقیقت شناسی ہو، ان کا کسی طرح بھی عمل سے کوئی تعلق نہ ہو۔

دوسری عرض یہ ہے کہ جن علوم سے ہمیں اپنی روز مرہ کی زندگی میں فائدہ پہنچتا ہے ان کی افادیت کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ ہمارے دماغ میں جو تصورات پیدا ہوں وہ بھر پور طور سے حقیقت نمائی کریں۔ بغیر اس کے انسان عمل کے میدان میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اکثر جدید علوم وفنون کی بنیاد یہی قوت احساس اور تجربہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں حقیقت نمائی نہ کرتے تو انسان کی آنکھوں کے سامنے نہ سڑکوں پر موٹریں دوڑتیں، نہ ٹرینوں کے عظیم الشان اسٹیشنوں پر یہ رونق ہوتی، نہ ہوائی جہاز اس لق ودق کرۂ زمین کو اپنی تیز رفتاری سے چھوٹا کر سکتے، نہ آدمی ایٹم بم اور ھائیڈروجن بم تیار کر سکتا، نہ راکٹوں کی طاقت اور تیز رفتاری سے دنیا کے انتہائی مضبوط اور ترقی یافتہ ملک ایک دوسرے سے ڈرتے، نہ انسان کے قدم کرۂ ماہ میں پہنچ سکتے، نہ وہ اس کے علاوہ دوسرے آسمانی کروں کو فتح کرنے کا تصور تک کر سکتا، نہ بجلی کی روشنی سے ہمارے گھر جگ مگ کرتے، نہ کارخانوں اور فیکٹریوں میں یہ چہل پہل ہوتی، ہماری زندگی کی گاڑی اسی احساس اور تجربے کی حقیقت نمائی کے پہیوں پر چل رہی ہے۔

وہ علوم کہ جن کا عمل سے تعلق ہے ان کی مثال میں اسپینسر نے طب، فزکس، کمیسٹری کا خصوصیت سے نام لیا ہے۔ انھوں نے اس طرح کے علوم کو مفید اور کار آمد قرار دیتے ہوئے باوقعت اور قیمتی قرار دیا ہے۔ سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ اگر حواس کو حقیقت نمائی کی صفت سے محروم مان لیا جائے تو کیا ان مذکورہ علوم کی تشکیل ہو سکتی تھی؟

طب کیا ہے؟ ایک طرف طرح طرح کے پودوں، درختوں، جانوروں، جڑی بوٹیوں، پتھروں کے بلا استثناء تمام اجزاء اور ظاہری و باطنی تمام حصوں کے ان اندرونی خواص کا پتہ چلانا جن کا جانداروں کی تندرستی اور بیماری میں دخل ہے، دوسری طرف جانداروں کی مختلف بیماریوں کے حقیقی اسباب اور ان کے علامات کا جاننا۔ تیسری طرف انسان اور جانور کے جسم کے ہر ہر جز اور اس کے فریضہ سے واقفیت جس کے انجام دینے کی غرض سے وہ وجود میں آیا ہے۔ چوتھی طرف یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہو کہ دواؤں کے استعمال سے کسی شخص کی یہ شکایت دور ہو سکتی ہے یا آپریشن کی ضرورت ہے؟ آپریشن کے اوزاروں سے واقف ہونا اور یہ جاننا کہ کون سے اوزار سے کیا کام لیا جا سکتا ہے؟

کچھ دیر کے لئے اسپینسر اور ان کے ہم خیالوں کی خاطر یہ مان لیا کہ ان تمام باتوں سے واقفیت کے لیے حواس کافی ہیں، عقل سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ارباب عقل خوب سوچ بچار کر کے جواب دیں کہ کیا اگر حواس حقیقتوں کا پتہ بتانے سے عاجز ہوں، اگر وہ واقعیتوں سے انسان کو روشناس بنانے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو کیا کوئی شخص طبیب اور ڈاکٹر بن سکتا ہے؟

اگر ہمارے حواس کی حقیقتوں تک رسائی ممکن نہیں ہے تو ان کے ذریعہ مختلف چیزوں کے ان باطنی خواص کا علم کیونکر ہوگا جن کا انسان اور جانور کی بیماری اور تندرستی میں دخل ہے؟

اگر ہمارے حواس کے فیصلے خطا کار ہونے کی وجہ سے توجہ کے قابل نہیں ہیں تو ڈاکٹروں کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ فلاں آدمی یقینا بیمار ہے؟ فلاں فلاں چیزیں اس کی بیماری کا سبب ہیں؟ فلاں فلاں دواؤں میں اسے اچھا کرنے کی خاصیت ہے؟

اگر ہماری آنکھیں اوزاروں کو نہیں پہچان سکتیں تو ہم ان سے آپریشن کرنے میں کیا مدد لے سکتے ہیں؟ اگر ہم مشاہدے کے بعد بھی یہ نہیں جان سکتے کہ یہ پھیپھڑا ہے، یہ گردہ ہے، یہ دل ہے، یہ تلی ہے، یہ فلاں آنت ہے تو ہم اس کا آپریشن کیسے کریں گے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار حصۂ جسم کے بجائے کوئی صحیح وسالم حصہ کاٹ کر پھینک دیں؟ خلاصہ یہ کہ اگر حواس حقیقت نمائی نہیں

کرتے تو نہ علم طب وجود میں آسکتا تھا اور نہ کوئی شخص طبیب اور ڈاکٹر بن سکتا تھا۔

آیئے اسی طرح مختصر طور پر فزکس کا جائزہ لیں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ کیا یہ علم حواس کے حقیقت نما ہونے کے باوجود تشکیل پا گیا یا اس کا دارو مدار بھی حواس کے حقیقت نما ہونے پر ہے؟

فزکس وہ علم ہے جس میں تمام اجسام کے بیرونی اور عمومی صفات کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے انصاف کیجیے جب پائے حواس پہلی ہی منزل میں لنگ ہے، اس کے ذریعہ یہی پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ واقعاً وہی جسم ہے جو ہماری آنکھوں کو دکھائی دے رہا ہے اور یہ بیرونی صفت جسے ہم اس جسم سے متعلق سمجھ رہے ہیں، حقیقتاً اسی سے تعلق رکھتی ہے تو علم فزکس کیوں کر وجود میں آئے گا؟ کس طرح اس پر کتابیں لکھی جائیں گی اور یونیورسٹی میں اسے پڑھا، پڑھایا جائے گا؟

چلتے چلاتے کیمسٹری کو بھی جان لیں کہ کس طرح کے علم کا نام ہے، یہ چھوٹا موٹا نہیں، بڑا وسیع علم ہے، اس کا ماہر بننا آسان نہیں ہے۔ اس میں سب سے پہلے یہ پتہ چلایا جاتا ہے کہ مختلف قسم کے مادوں کے اندرونی خواص کیا ہیں اس علم کے واقف کار کا فرض ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ مادے کے اندرونی ماحول میں اس کے کن کن اجزاء کے درمیان کشتیاں ہو رہی ہیں؟ کون فاتح ہے اور کون مفتوح؟ کون موثر ہے اور کون متاثر؟ اس کشمکش کی وجہ سے مادے کی ظاہری شکل اور اس کے باطنی ترکیبات میں کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں؟ مثلاً کون پڑھا لکھا آدمی یہ بات نہیں جانتا کہ پانی ایک سیال چیز ہے وہ کیمیائی تجزیہ کے بعد دو طرح کی بھاپوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک آکسیجن اور دوسرے ہائیڈروجن۔ جن کی ظاہری صورت اور خاصیت پانی سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ درحقیقت ''کیمیکل'' اثرات، ''فزیکل'' اثرات اور نتائج سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ کیمیکل اثرات کی وجہ سے نئے نئے جسم نئی نئی خاصیتوں کے ساتھ وجود میں آتے رہتے ہیں۔

فرمایئے کہ جب حواس سے حقیقتوں کا پتہ نہیں چل سکتا تو کسی شخص کو کسی مادے کے حقیقی اندرونی خواص کیسے معلوم ہوں گے؟ ایک بدقسمت کیمسٹ کیوں کر واقفیت حاصل کرے گا کہ مادے کے اجزاء کے درمیان جولڑائی ہوتی ہے اس میں ایک دوسرے کا مدمقابل کون ہے؟ اس جنگ کے سبب سے مادے کی ظاہری شکل اور اندرونی ترکیب میں کیا تبدیلی ہوتی ہے؟

حواس کو حقیر نہ سمجھئے

عام معمولی انسان جب اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہیں تو ان کے ذہن کا صفحہ بالکل سادہ ہوتا ہے۔ ان کے پاس کسی قسم کے معلومات نہیں ہوتے۔ بچہ غیر شعوری طور پر فطرت کی تحریک اور اشارے سے بہت سے کام انجام دیتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد پہلی دفعہ جب اسے بھوک لگتی اور ماں اسے اپنے آغوش میں لیتی ہے تو وہ اس کے پستان کے نزدیک پہنچتے ہی اسے منہ میں لے کر چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا یہ عمل ویسا ہی ہے جیسے گائے، بھینس، اونٹنی، بکری وغیرہ کے بچوں کا ان کے تھنوں سے منہ لگا دینا۔ ان میں حسب دلخواہ دودھ نہ پا کر انہیں اپنے سر سے دھکے دینا اور چڑھا ہوا دودھ تھنوں میں اتارنے کی کوشش کرنا آدمی کے بچوں کا ماں کے پستان کے پاس پہنچ کر منہ کھول دینا ویسا ہی ہے جیسے ہم برابر یہ منظر دیکھتے رہتے ہیں کہ چڑیا یا کبوتر وغیرہ جب اپنی چونچ میں کھانے کی کوئی چیز دبائے ہوئے گھونسلے کے نزدیک آتے ہیں تو ان کی آہٹ پا کر ان کے انڈے سے نکلے ہوئے بچے بیرونی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد پہلی ہی بار اپنے بازوؤں کو پھڑ پھڑانے لگتے اور فوراً اپنا منہ کھول کر ماں باپ کی چونچ سے چونچ ملا دیتے ہیں تاکہ وہ آسانی سے انھیں دانہ بھرا سکیں۔

بے شک پیدا ہوتے ہی انسان کے بچے میں معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت ضرور موجود ہے لیکن جب وہ اپنی آنکھوں سے مختلف چیزوں کو دیکھتا، کانوں سے طرح طرح کی آوازوں کو سنتا، زبان سے گونا گوں مزے چکھتا، ناک سے خوشبو اور بدبو سونگھتا، اپنے جسم کے حصوں سے آس پاس کی چیزوں کو

چھوتا ہے تو اسے اپنے گرد و پیش کی چیزوں کا احساس ہوتا، اس کا دماغ ان سے متاثر ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا وہ ذہن جو شروع شروع بالکل صفحۂ سادہ تھا طرح طرح کی تصویروں کا ایک چھوٹا موٹا البم بن جاتا ہے۔ البتہ فوٹو کھینچنے کا کام اس کے دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چکھنے کی ان طاقتوں نے انجام دیا جو قدرت نے اسے دی ہیں۔ نفس اور ذہن کی تختی پر انہی محسوس چیزوں کے فوٹوؤں کا ابھر آنا اصطلاحی طور سے ''علم حسی'' ہے۔ یہ علم کا ابتدائی اور پہلا درجہ ہے، اسے بے حقیقت اور حقیر سمجھنا ظلم اور صریح ظلم ہے۔ یہ ان تمام علوم وفنون کی بنیادی پونجی ہے جنہیں انسان آئندہ حاصل کرے گا۔ یہ علم حسی انسان سے مخصوص نہیں ہے، اس میں وہ تمام جانور اس کے شریک ہیں جن کے پاس یہ مذکورہ احساس کی کل قوتیں موجود ہوں یا کم از کم ان میں سے بعض کے وہ مالک ہوں۔

حواس کیا بتانے میں غلطی کرتے ہیں؟

حواس کے خطاکار اور گمراہ کن ہونے کا تعلق کس چیز سے ہے؟ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے احساس کی طاقتیں کس چیز کے بتانے میں غلطی کرتی ہیں؟ وہ ٹھیک ٹھیک یہ نہیں بتاتیں کہ کوئی چیز کیسی ہے اور کیا ہے یا خود اس کا وجود بتانے میں ان سے چوک ہوتی ہے؟ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مثال کے طور پر حواس کے گمراہ کن اور خطاکار ہونے کے ثبوت میں جو مقامات پیش کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے کہ ہم کسی چیز کے وجود کو محسوس کریں اور وہ سرے سے نہ ہو۔ ہمیں اقرار ہے کہ بیابانوں میں چمکتی ہوئی بالو موجیں لیتا ہوا پانی محسوس ہوتی ہے، لیکن آنکھوں نے ہمیں کیا بات غلط بتائی؟ اس نے بالو کو پانی بتایا، حالانکہ وہ پانی نہیں بالو ہے۔ لیکن سوچئے کہ آنکھوں نے کیا صرف یہی ایک چیز بتائی ہے؟ نہیں انھوں نے اپنے مشاہدے میں آئی ہوئی چیز کا وجود بھی مبہم اور مجمل طور بتایا ہے۔ آنکھوں نے مشاہدے میں آنے والی چیز کی حقیقت اور ماہیت بتانے میں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، لیکن خود اس کے وجود کو بتلانے میں آنکھوں نے ہرگز غلطی نہیں کی ہے۔

انصاف کا خون نہ کیجئے

کون ڈاکٹر ایسا ہے جس کا علاج کرنے والے بیماروں میں سے سو فیصدی ٹھیک ہو جاتے ہوں؟ کون کمپونڈر ایسا ماہر ہے جو کبھی انجکشن لگانے میں رتی بھر غلطی نہ کرتا ہو؟ کون باورچی ایسا ہے جس کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے ہمیشہ یکساں طور پر مزیدار اور بے عیب ہوتے ہوں؟ بتائیے ہمیں اس درزی کا نام جو اپنے پاس آنے والے مختلف قد و قامت اور جسمانی ساخت کے لوگوں کے کپڑے، ہمیشہ بالکل ان کی مرضی کے مطابق سیتا ہو؟ خواہ کوئی اس کا سالہا سال کا گاہک ہو اور خواہ کسی نے اس سے پہلی دفعہ کپڑے سلائے ہوں۔ کون خوش قسمت ایسا ہے جس کے تمام ملنے جلنے والے، جس کے خاندان کے تمام لوگ اخلاق و اوصاف اور انسانیت کے نقطۂ معراج پر ہوں، ان کی کوئی بات کبھی اس کے مزاج کے خلاف نہ ہو، اسے کبھی ان سے کسی قسم کا دکھ نہ پہنچے، کون شخص ایسا ہے جسے ہمیشہ کاریگر، بڑھی، مزدور اس کے حسب دلخواہ ہوشیار اور محنتی ملے ہوں؟ کون بزرگ ایسے ہیں جن پر رکشہ والوں، ٹیکسی ڈرائیوروں، مختلف قسم کے دفتری لوگوں اور دوکانداروں نے زیادتی نہ کی ہو۔؟ کون وکیل ایسا ہے جو کبھی مقدمہ میں ہارا نہ ہو؟

ہر شخص کا سابقہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسے ہی لوگوں سے رہتا ہے جو غلطیاں کرتے ہیں، دھوکے کھاتے ہیں، لغزشوں کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود انسان ان سے قطع تعلق نہیں کرتا، وہ برابر انہی سے کام لیتا ہے۔

پھر آخر عقل اور حواس نے کیا قصور کیا ہے کہ سوفسطائی مفکرین ان کے خطاوار ہونے کی وجہ سے ان کے خدمات حاصل کرنا بالکل غلط سمجھتے ہیں؟ حواس حقیقت نمائی میں غلطی کرتے ہیں لیکن وہ مقامات ان جگہوں کے بہ نسبت بہت کم ہیں جہاں وہ انسان کی صحیح راہنمائی کرتے ہیں۔ یقینا یہ بے انصافی اور بے مروتی ہے کہ آدمی دوسرے خطاواروں سے تعلقات برقرار رکھے۔ لیکن عقل اور حواس کی بھول چوک کی بنا پر ان کی طرف سے بالکل آنکھیں پھیر لے۔

✡✡✡